عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت:

تَزَوَّجنی رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لِسِتٍّ سِنین، وبَنی بی وأنا بنتُ تسع سنین

(سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا نکاح چھ سال کی عمر میں ہوا، اور رخصتی نو سال کی عمر میں)

بوقتِ شادی

ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کی عمر مبارک

اعتراضات کا جائزہ، شکوک وشبہات کا اِزالہ

از:

محمد معاویہ سعدی

شعبۂ تخصص فی الحدیث، جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور

مکتبہ دار السعادۃ، سہارنپور

[فہرست]

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، أما بعد:

بوقتِ نکاح ورخصتی سیدہ عائشہؓ کی عمرِ مبارک کی تحقیق

اِس مسئلہ پر اہلِ مغرب اور مستشرقین سے مرعوب اَفراد اور طبقات کی طرف سے اِعتراضات کا سلسلہ ایک مدت سے جاری ہے، آج سے تقریباً بائیس سال قبل اِس سے متعلق ایک کتابچہ بھی نظر سے گذرا تھا، بعد میں بھی مختلف احباب کے زبانی استفسارات کی مناسبت سے اِس طرف معمولی توجہ ہوتی رہی، کبھی باقاعدہ بحث و تمحیص کی نوبت نہیں آسکی تھی۔

ابھی چند دنوں پہلے برادرِ گرامی مفتی محمد حمزہ صاحب گورکھپوری زیدہ مجدہ نے تبصرہ کی فرمائش کے ساتھ "**رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شادی کے وقت: ام المؤمنین سیدہ عائشہؓ کی عمر**" کے عنوان سے ایک صاحب کا مضمون اِرسال فرمایا، حسب الحکم مرسلہ مضمون دیکھا، عنوان دیکھتے ہی اس کے ماخذ اور منشا کا تو اندازہ ہو گیا تھا، پھر بھی امتثالاً للأمر پورا مضمون بغور پڑھا۔

اِس میں "صحیحین" کی مشہور حدیثِ عائشہؓ پر روایتی ودرایتی ہر دو پہلو سے اعتراضات کیے گئے تھے، فوری طور پر بتوفیقہٖ تعالیٰ اُن کے اعتراضات کا جائزہ لے کر جوابات پیش کردیے گئے، ماشاء اللہ صاحبِ مضمون مخلص اور طالبِ حق تھے، اُنھوں نے جوابات کو تسلیم کرتے ہوئے، اطمینان کا اظہار فرمایا، اور حق کو قبول فرمالیا، فللہ الحمد علی حسن توفیقہٖ، ووفقنا اللہ وإیاہ لما یحبہ ویرضاہ۔

جی چاہا کہ اپنی یہ ادنیٰ کاوش عام قارئین کی خدمت میں بھی پیش کردی جائے، تاکہ اگر کوئی اور طالبِ حق بھی اس سے استفادہ کرنا چاہے تو بسہولت کرسکے، اللہ تعالیٰ اِس کو دافعِ فتن، رافعِ شکوک و شبہات اور نافعِ خلقِ خدا بنائیں، وباللہ التوفیق، وھو المستعان۔

مضمون کی ترتیب:

عربی مقولہ ہے: أثبت العرش، ثم انقش عليه (پہلے تخت کو وجود میں لاؤ، پھر اس پر نقش و نگار بنانا)،اِس لیے منطقی ترتیب کے مطابق اولاً مثبت پہلو سے گفتگو مناسب معلوم ہوتی ہے، تاکہ جب اصولی لحاظ سے حدیثِ عائشہؓ کا ثبوت ہوجائے،اور اُس کی صحت پر حجت قائم ہوجائے، پھر اُس پر وارد کیے جانے والے اعتراضات کا جائزہ لے کر،اُس کا دفاع کیا جائے،ورنہ جس چیز کا اُصولی اعتبار سے ہی ثابت ہونا یقینی نہ ہو تو پھر اُس کے دفاع میں زور لگانے سے فائدہ کیا؟۔

اِسی اُصول کے پیشِ نظر پہلے ہم اِس مسئلہ سے متعلق پہلے معروضی انداز میں جمہور کا موقف پیش کرتے ہیں، تاکہ خالی الذہن طالبِ حق کے سامنے اصل بات مدلل طور پر آجائے، پھر اللہ نے چاہا تو علماء و محققین کے اِفادات کی روشنی میں اعتراضات کا جائزہ بھی لینے کی کوشش کی جائے گی۔

حدیثِ عائشہؓ:

بخاری (۵۱۳۴) و مسلم (۱۴۲۲) اور حدیث کی دیگر مشہور کُتب میں، اِسی طرح تاریخ وسِیَر کی تمام ہی قابلِ ذکر کتابوں میں، مختلف طرق اور اسانید سے حضرت عائشہؓ سے روایت ہے:

أن النبي صلى الله عليه وسلم تزوجها وهي بنت ست سنين، وبنى بها وهي بنت تسع سنين۔

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کی جب کہ وہ چھ سال کی تھیں،اور رخصتی فرمائی جب کہ وہ نو برس کی تھیں)۔

بعض طرق میں "بنت ست سنين" کے بجائے "بنت سبع سنين" وارد ہوا ہے،اور یہ کوئی قابلِ اِلتفات اِختلاف نہیں ہے،اہلِ عرب کے ہاں "جبرِ کسر" اور "اِسقاطِ کسر" کا اُصول معروف ہے،حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: ويُـجمَع بأنها كانت أكملت السّادسة، ودخلت في السّابعة (الإصابة في تمييز الصحابة ۸/ ۲۳۲)۔

یعنی: چھ سال اور سات سال کی دونوں روایتوں میں تطبیق اِس طور پر ہے کہ عمرِ مبارک کے چھ سال پورے ہو چکے تھے، اور ساتواں سال چل رہا تھا۔

بوقتِ نکاح ورخصتی حضرت عائشہؓ کی عمر سے متعلق یہ حدیث بالکل صحیح ہے، تمام ائمہ حدیث نے اس کی صحت کو بلا چون وچرا تسلیم فرمایا ہے، احقر کی ناقص معلومات میں متن وسند کسی بھی لحاظ سے کسی بھی امام نے مذکورہ حدیث پر، یا اُس سے ثابت ہونے والے مضمون پر، ایسا کوئی قابلِ ذکر اِشکال نہیں کیا ہے، جس سے اس حدیث کی صحت مجروح یا مخدوش ہوتی ہو، بلکہ علامہ عینیؒ نے تو اس کو "مشہور" (قریب بمتواتر) قرار دیا ہے (البناية ٥: ٩٠)۔

اِس کے علاوہ ذخیرۂ احادیث میں اور بھی بہت سی ایسی احادیث پائی جاتی ہیں جن سے شادی کے وقت اور اُس کے بعد حضرت عائشہؓ کی عمر کا کافی قریبی اندازہ ہو جاتا ہے:

بوقتِ رخصتی سیدہ عائشہؓ کی کم عمری کے واضح قرائن:

۱: ہشام بن عروة، عن ابيه، عن عائشه ؓ کی زیرِ بحث اِسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جس وقت میری رخصتی کی تیاری ہو رہی تھی میں سہیلیوں کے ساتھ جھولا جھول رہی تھی۔ (بخاری و مسلم)۔

۲: بخاری (٦١٣٠) کی ایک اور روایت میں ہے: فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر موجودگی میں اپنی سہیلیوں کے ساتھ گڑیا کھیلتی تھی، آپ جب تشریف لاتے تو سہیلیاں پردے میں ہو جاتیں، تو آپ واپس ہو کر پھر اُن کو میرے پاس بلا دیتے۔

۳: ابوداود (۴۹۳۲) کی روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک سے واپسی کے موقع پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں داخل ہوئے تو حضرت عائشہؓ کی گڑیوں پر آپ کی نظر پڑی، اُس میں ایک پردار گھوڑے کی صورت بھی تھی، آپ نے دریافت فرمایا: یہ کیا؟! کہیں گھوڑوں کے بھی پر ہوتے ہیں؟! کہنے لگیں کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑوں کے پر نہیں تھے؟ اِس پر آپ کو ہنسی آ گئی۔

۴: ابو داود (۲۵۷۸) و مسند احمد (۲۶۳۲۰) کی روایت ہے: عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو ذرا آگے کر دیا، پھر مجھ سے فرمایا کہ آوَ! دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں، **اُس وقت میں کم عمر اور ہلکی پھلکی تھی:** وأنا جارية لم أحمل اللحم، ولم أبدُن، تو میں مقابلہ جیت گئی، پھر ایک مدت بعد جب میں بھاری بدن کی ہو گئی تھی، اُس وقت اسی طرح پھر آپ نے مسابقہ کی دعوت دی، میں بے خیالی میں تھی، مقابلہ ہوا، اور میں ہار گئی، آپ نے فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا: "ہذه بتلك" (آج کی یہ فتح اُس شکست کا بدلہ ہو گئی!)۔

اِن روایات سے سیدہ عائشہؓ کی عمر کا کچھ اندازہ ہوتا ہے کہ شادی کے بعد بھی کتنا بچپنا تھا!۔

حدیثِ عائشہؓ سے مستنبط تین اہم مسائل:

پھر حضرت عائشہؓ کے اِسی واقعہ پر بنا رکھتے ہوئے فقہاء نے تین اہم مسائل بھی ثابت فرمائے ہیں:

پہلا مسئلہ: "صغیرہ" (نابالغ لڑکی) سے نکاح کا جواز۔

یہ مسئلہ ویسے تو قرآنِ کریم کی دلالۃ النص سے بھی ثابت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَاللَّائِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِنْ نِسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ **وَاللَّائِي لَمْ يَحِضْنَ**} [الطلاق: ۴] (أحكام القرآن للجصاص ۲: ۳۴۶)۔

(اور تمھاری بیویوں میں سے جو حیض سے ناامید ہو چکی ہیں؛ اگر تم کو شبہ ہو تو اُن کی عدت تین ماہ ہے، **اور اِسی طرح جن عورتوں کو– اَب تک بوجہ کم عمری کے– حیض نہیں آیا** –اُن کی بھی عدت تین ماہ ہے–)۔ ظاہر ہے کہ عدت نتیجہ ہوتی ہے طلاق کا، اور طلاق متفرع ہوتی ہے نکاح پر۔

مگر فقہاء نے اس کی صریح دلیل کے طور پر یہ حدیثِ عائشہؓ بھی پیش فرمائی ہے، اِس مسئلے میں صرف ابن شُبرمہؒ اور ابو بکر اصمؒ کا اِختلاف ہے، ورنہ تمام فقہاء اِس پر متفق ہیں (المبسوط للسرخسی ٤: ٢١٢)۔

دوسرا مسئلہ: صغیرہ پر نکاح کے سلسلہ میں باپ کو حقِ ولایت حاصل ہونے کا ہے۔

لہٰذا والد اگر نابالغ بچی کا نکاح کردے، تو یہ بھی بالاجماع جائز ہے، علماء نے اِس کی دلیل بھی اِسی قصہَ عائشہؓ کو بنایا ہے، حافظ ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں: أجمع العلماء على أن للأب أن يزوج ابنته الصغيرة ولا يشاورها، وأن رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوج عائشة بنت أبي بكر وهي صغيرة بنت ست سنين أو سبع سنين، أنكحه إياها أبوها (الاستذكار ٥: ٤٠٠)۔

(علماء کا اِس پر اِجماع ہے کہ باپ کو نابالغ بیٹی سے مشورے کے بغیر اُس کا نکاح کرنے کا حق ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہؓ سے نکاح فرمایا جب کہ وہ چھ یا سات سال کی بچی تھیں، آپ سے اُن کا نکاح والد محترم ابو بکر صدیقؓ نے کیا تھا)۔

حضرت ابن عمر، قدامۃ بن مظعون، عروۃ بن الزبیر اور زینب امرأۃ ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے کم عمری میں اپنی ماتحت بچیوں کا نکاح کرنا منقول ہے (المبسوط ٤: ٢١٢)۔

تیسرا مسئلہ: لڑکی میں بلوغ کا معیار۔

جمہور علماء کے نزدیک لڑکی اور لڑکے دونوں کے لیے اکثرِ مدتِ بلوغ پندرہ سال کی عمر ہے، مگر لڑکی کی اقلِ مدت بلوغ کے سلسلہ میں فقہاء کے تین قول ہیں:

۱: فقیہ ابو نصر محمد بن سلامؒ کے نزدیک چھ سال ہے۔

۲: بعض مشایخِ حنفیہ کے نزدیک سات سال ہے۔

۳: جمہور فقہاء کے نزدیک عام حالات میں اقلِ مدتِ بلوغ نو سال کی عمر ہے، جیسا کہ حدیثِ عائشہؓ میں ہے کہ جب اُن کی رخصتی ہوئی اُس وقت اُن کی عمر نو سال تھی (المبسوط ٣: ١٤٩)۔

اقلِ مدتِ بلوغ کے بارے میں جدید تحقیق:

اِنٹرنیٹ پر محکمہَ صحت کی طرف سے دی گئی معلومات کے تحت درج ہے:

"لڑکیوں میں لڑکوں کے مقابلے میں (بلوغت کے) اِس عمل کا آغاز جلد ہوتا ہے، اور یہ ۸ سال سے ۱۱ سال کی عمر میں ہوسکتا ہے" اھ۔

بلکہ آج کے دور میں کچھ ایسے اسباب اور دواعی پائے جاتے ہیں کہ لڑکیاں اور جلدی بالغ ہونے لگی ہیں، بی بی سی کی رپورٹ ہے:

"ترقی یافتہ ممالک میں بچوں کی سن بلوغت کو پہنچنے کی عمر کم سے کم ہو رہی ہے، اور بعض لڑکیاں سات سال کی عمر میں بھی بالغ ہو رہی ہیں......،۱۹۹۰ء میں لڑکیوں میں بلوغت کی ابتدائی علامات آٹھ سال کی عمر میں پیدا ہونا شروع ہوتی تھیں، اور یہ عمل دو سال میں مکمل ہوتا تھا، اَب ماہرین کے مطابق کچھ لڑکیاں سات سال کی عمر میں بالغ ہوجاتی ہیں" اھ۔

کم عمری میں بلوغ کے سچے واقعات:

۱: امام بخاریؒ نے حسن بن صالحؒ سے نقل کیا ہے کہ میری ایک پڑوسن تھی جو اکیس سال کی عمر میں نانی بن گئی تھی (صحیح البخاری: باب بلوغ الصبیان وشهادتهم)۔

۲: اِسی طرح امام بیہقیؒ نے اپنی سند سے امام شافعیؒ سے بھی اکیس سال کی عمر کی ایک نانی کو دیکھنا نقل کیا ہے (السنن الكبرى ۱: ٤٧٦)۔

۳: امام سرخسیؒ نے لکھا ہے کہ فقیہ ابو مطیع بلخیؒ کی ایک صاحبزادی تھیں جو اٹھارہ سال کی عمر میں نانی بن گئی تھیں (المبسوط ۳: ۱٤۹)۔

۴: احقر راقم السطور کی حقیقی دادی صاحبہ مرحومہ جو مچھلی شہر جونپور کی رہنے والی تھیں، اُن کی رخصتی گیارہ سال کی عمر میں ہوئی تھی، اور وہ تیرہ سال کی عمر میں ماں بن گئی تھیں۔

حدیثِ عائشہؓ پر اعتراضات:

مذکورہ بالا شرعی تفصیلات، طبی تحقیقات اور تاریخی واقعات کے ہوتے ہوئے کسی کو سیدہ عائشہؓ کی محولہ بالا روایت اور اُس سے ثابت ہونے والے مضمون میں کسی قسم کا ادنیٰ تردد بھی نہ ہونا چاہیے تھا، مگر یہ اَمر واقعہ ہے کہ اِن حقائق اور دلائل کے علی الرغم اِس حدیث پر اعتراضات کیے گئے ہیں، اور اُن

اعتراضات کو بزعمِ خود قوت بہم پہنچانے کے لیے بہت سے تاریخی و حدیثی قرائن ودلائل کا سہارا لینے کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

اعتراضات کے مختلف مناشی اور اُن کے مناسب طرزِ عمل:

مگر یہ اُصول ہے کہ کسی بھی اِعتراض کے سامنے آنے پر اُس کے جواب سے پہلے، اُس کے منشا پر غور کرنا، اور پھر منشا کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب کا رخ طے کرنا ضروری ہے، لہٰذا:

۱: اگر اِعتراض معاند اور ہٹ دھرم قسم کے افراد، یا طبقات کی طرف سے کیا گیا ہو تو عام حالات میں اُس کے جواب کے درپئے ہونا، مناسب نہیں، ایسوں سے تو بس قرآنی تعبیر میں یہ کہہ دینا کافی ہوتا ہے: {مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ، إِنَّ اللهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ} (تم مرجاؤ اپنے غصے میں –جل بھن کر–، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو –اور اعتراض کے منشا کو–)۔

اللہ تعالیٰ کا یہ اِرشاد ایسے ہی مواقع کے لیے ہے: {وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصَارَى حَتَّى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ إِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدَى وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ} [البقرۃ:۱۲۰]

(اور ہرگز مطمئن نہیں ہوں گے آپ سے یہود، اور نہ نصاریٰ، جب تک کہ آپ اُن کے مذہب کے –بالکلیہ– پیرو نہ ہوجائیں، –اس لیے– آپ –پہلے ہی اُن سے صاف– فرمادیں کہ اللہ کا –بتلایا ہوا– راستہ ہی ہدایت کا اصل راستہ ہے –اور یہ آپ کا قطعی فیصلہ ہونا چاہیے–، ورنہ اگر آپ اُس علم کے بعد جو آپ کے پاس آچکا ہے اُن کی خواہشات کا اِتباع کرنے لگے، تو آپ کو خدا سے بچانے والا نہ کوئی یار ہوگا، نہ مددگار)۔

علمی و تحقیقی جواب طالبِ صادق کے لیے مفید ہوتا ہے، خود قرآن کو "نصابِ ہدایت" قرار دیتے ہوئے وضاحت کردی گئی ہے کہ اس کی یہ اِفادیت تقویٰ کا ارادہ کرنے والوں ہی کے لیے ہے: آخر {إِنَّ فِي ذَلِكَ لَذِكْرَى لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ} [ق:۳۷] کا کیا مطلب ہے؟ یہی نا کہ نصیحت سے فائدہ وہی اٹھاتا ہے جس کے سینے میں نصیحت قبول کرنے والا دِل ہو کہ خود ہی سمجھ لے، یا

کم از کم کسی کے سمجھانے پر دل کو حاضر کر کے کان ہی دھر لے۔

ضدی اور ہٹی قسم کے معاندین کے منفی رویے سے نہ مایوس ہونے کی ضرورت ہے، اور نہ مرعوب ہونے کی، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اعظم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے لوگوں کے معاملے میں تسلی دیتے ہوئے فرمادیا ہے: { إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِين. وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ. إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ} [النمل: ۸۰، ۸۱] (یقیناً آپ مُردوں کو تو اپنی بات سنا نہیں سکتے، اور نہ ہی بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں؛ جب کہ وہ رُو گردانی پر آمادہ ہوں، اور نہ آپ اندھوں کو اُن کی گمراہی سے نکال سکتے ہیں، آپ کو تو بس انہی کو ہمارا یہ پیغام سنانا ہے جو ہماری باتوں پر یقین رکھتے ہیں، پھر وہی لوگ فرمانبردار ہوں گے)۔

البتہ معاندین کی طرف سے کیے گئے اعتراض کا جواب، خالی الذہن لوگوں کو اُن کی تلبیسات و تشکیکات پر مطلع کرنے کے نقطۂ نظر سے یقیناً دیا جاسکتا ہے: {لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ} [الأنفال: ۴۲] (تاکہ اس کے بعد بھی جو ہلاکت کا راستہ اِختیار کرے اُس پر حجت تمام ہو جائے، اور جو کامیابی کا راستہ اِختیار کرے وہ بھی دلیل اور بصیرت کے ساتھ اِختیار کرے)۔

۲: اگر اِعتراض کا منشا غیروں سے تاثر اور مرعوبیت ہے، تو اس کا حل علمی اور تحقیقی جواب کے بجائے، اِیمانی قوت اور روحانی جذبے سے دیا جاتا ہے، جیسا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج سے واپسی پر اپنے اِس انوکھے سفر کا (بظاہر) ناقابلِ یقین قصہ لوگوں کو سنایا تھا، تو کفارِ مکہ کو اپنے تئیں گویا مسالہ ہاتھ آ گیا تھا، بھاگے ہوئے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے، اور انتہائی فاتحانہ اور تمسخر آمیز انداز میں اس کا تذکرہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ لو! محمد تو اَب ایسی ایسی باتیں سنا رہے ہیں؟! سیدنا حضرت صدیقؓ نے پوری ایمانی قوت کے ساتھ برجستہ فرمایا: إن كان قاله فلقد صدق (اگر آپ نے فرمایا ہے تو بالکل سچ اور برحق ہے)۔ اسی سے اُن کے سارے جذبات واعتراضات کی ہوا نکل گئی۔ اِس کے برخلاف جو کچے لوگ تھے وہ شکوک و شبہات کے فتنے میں پڑ گئے۔

اِسی طرح جب سیدنا حضرت سلمان فارسیؓ سے اعتراض کرنے والوں نے کہا: قد علمكم نبيكم كلَّ شيء حتى الخراءة؟! (کہ تمھارے نبی تمھیں پیشاب پاخانے کا طریقہ بھی سکھلاتے ہیں؟!) تو حضرتؓ نے بغیر کسی مرعوبیت اور تکلف کے پوری اِیمانی قوت کے ساتھ جواب دیا: أجل، لقد نهانا أن نستقبل القبلة لغائطٍ، أو بولٍ، أو أن نستنجي باليمين ...... (بالکل، آپ ہم کو سکھلاتے ہیں کہ ہم استنجے کے وقت قبلہ رخ نہ بیٹھا کریں، داہنے ہاتھ سے آب دست نہ لیا کریں ..... وغیرہ وغیرہ)۔

۳: اِعتراض کی ایک وجہ علمی اِشکال کا پیش آجانا بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لا عدوىٰ" (ایک کا مرض دوسرے کو خود سے نہیں لگتا) کے اسلامی عقیدے کو بیان فرمایا تو بعض حاضرین کو یہ اِشکال پیش آیا کہ یہ تو ہماری سائنسی تحقیق اور آنکھوں دیکھے مشاہدے کے خلاف ہے، اِس لیے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ (مثلاً) کسی ریوڑ میں کوئی خارشتی اونٹ نہیں ہوتا، پھر اتفاقاً باہر سے کوئی خارشتی اونٹ آجاتا ہے، اور اُس کے بعد پورے ریوڑ میں وہ بیماری پھیل جاتی ہے؟!۔

انھوں نے اپنا یہ مسئلہ اور کھٹک بطور تحقیقِ حق اور اِستفسار کے آپ کی بارگاہ میں پیش فرمایا، آپ نے اُن کو یہ کہتے ہوئے انتہائی حقیقت پسندانہ اِلزامی جواب عنایت فرمایا کہ: فمن أعدى الأول؟ (کہ اگر یہ بیماری دوسرے سے متعدی ہو کر لگتی ہے تو یہ بتاؤ کہ پھر سب سے پہلے والے اونٹ کو کیسے لگی؟!)۔

معلوم ہوا کہ اگر سؤال کا منشا: اِعتراض اور عناد نہ ہو، بلکہ حق بات کی تلاش اور حق تک پہنچنے کا جذبہ ہو تو ایسے سؤالات کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہیے، اور اُن کے جوابات کی فکر اور کاوِش کرنی چاہیے۔

آئندہ سطور میں اِنہی تفصیلات کو سامنے رکھتے ہوئے، خالی الذہن طبقات کو فتنے سے بچانے، مرعوب افراد کو اِیمانی غیرت دلانے، اور طالبینِ حق تک حق کو پہنچانے کی نیت سے، معترضین کے اعتراضات کا جائزہ لینے کی کوشش کی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں، اور مفید ونافع بنائیں، آمین۔

اعتراضات کا جائزہ، اور شکوک و شبہات کا اِزالہ

معترضین کی طرف سے زیرِ بحث مسئلے سے متعلق حضرت عائشہؓ کی مذکورہ بالا حدیث بخاری و مسلم کے حوالہ سے " عن هِشَام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها " کی سند سے پیش کر کے، روایتی ودرایتی ہر دو اعتبار سے اُس پر اِعتراضات کیے جاتے ہیں۔

روایتی پہلو سے کیے گئے اعتراضات مع جوابات:

پہلے روایتی پہلو سے اس حدیث پر وارد کیے جانے والے اِعتراضات اور ان کے مدلل جوابات پیشِ خدمت ہیں:

اِعتراض: "یہ روایت پانچ سلسلوں سے مروی ہے، اور ہر ایک سلسلہ: "هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة" پر ختم ہو جاتا ہے، یعنی ہشام ہی تنہا اس روایت کو بیان کرنے والے ہیں"۔

جواب: یہ اعتراض حد درجہ کوتاہ نظری پر مبنی ہے، اس لیے کہ:

أ: یہ روایت "ہشام" سے پانچ کے بجائے دس سے زائد سلسلوں سے مروی ہے۔

چنانچہ خاص اِس مضمون کو بخاری میں "ہشام" سے روایت کرنے والے چار راوی ہیں: علی بن مسہر (۳۸۹۴)، ابواسامہ (۳۸۹۶)، سفیان ثوری (۵۱۳۳)، وہیب بن خالد (۵۱۳۴)۔

مسلم (۱۴۲۲) میں دو راوِی: ابومعاویہ اور عبدۃ بن سلیمان کا اضافہ ہے۔

اس کے علاوہ سننِ ابوداود (۴۹۳۳) میں ساتویں راوی: حماد بن زید، سننِ نسائی (۳۲۵۶) میں آٹھویں راوی: جعفر بن سلیمان ہیں۔

اور یہ تفصیلات تو کتبِ ستہ کے دائرے کی ہیں، ورنہ اگر یہ دائرہ وسیع کیا جائے تو مذکورہ بالا رُوات کے علاوہ: مسند الشافعی (۸۹) و (۷۰۲) میں سفیان بن عیینۃ کی روایت ہے، اور مسند احمد میں عبد الرحمن ابن ابی الزناد (۲۴۸۶۷) اور حماد بن سلمہ (۲۶۳۹۷) کی روایت بھی موجود ہے۔

پھر مستدرک حاکم، طبرانی اور دیگر کتبِ حدیث کی مراجعت سے اِس تعداد میں مزید اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

ب: یہ تو پہلے اعتراض کے ذیل میں کیے گئے پہلے دعوے کے بطلان کے دلائل تھے، یہاں دوسرا دعوی یہ بھی کیا گیا ہے کہ "عروۃ بن الزبیر" سے اس حدیث کو روایت کرنے والے تنہا "ہشام" ہیں، اُن کا کوئی متابع نہیں، حالاں کہ دعویٰ اول ہی کی طرح یہ دعوی بھی بے بنیاد ہے۔

اِس لیے کہ "عروہ" سے روایت کرنے والوں میں "ہشام" کے علاوہ زُہری کی روایت تو خود صحیح مسلم (۱۴۲۲) ہی میں موجود ہے، ممکن ہے کہ ان کے علاوہ کوئی اور بھی متابع ہو۔

ج: اعتراض پر مبنی گذشتہ عبارت کے ظاہر سے یہ تاثر ہوتا ہے کہ اِس حدیث کی سیدہ عائشہؓ سے بس یہی ایک سند ہے!

اگر پوری سند ذکر کرنے سے معترض کا منشا یہی ہے تو یہ بھی حد درجہ باعثِ تعجب ہے، اس لیے کہ حضرت عائشہؓ سے اس قصے کو روایت کرنے والے راویوں کی پوری ایک جماعت ہے، چند طرق بطور دلیل ذکر کیے جاتے ہیں:

حدیثِ مذکور کے حضرت عائشہؓ سے مروی طرق واسانید:

۱) الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة کے طریق سے "صحیح مسلم" وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے۔

۲) مطرف، عن أبي إسحاق، عن أبي عُبيدة، عن عائشة کے طریق سے "سنن نسائی" (۳۲۵۷) میں ہے۔

۳) محمد بن إبراهيم، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن عائشة کے طریق سے بھی "سنن نسائی" میں ہے۔

۴) عن أبي بكر بن عياش، عن الأجلح، عن ابن أبي مليكة، عن

عائشة کے طریق سے ”مسند“ اِسحاق بن راہویہ (۱۷۸۴) میں ہے۔

ابن ابی عاصم کی ”الآحاد والمثانی“ میں اِس کے دو طریق ہیں:

۵) عن محمد بن عمرو، عن يحيي بن عبد الرحمن بن حاطب، عن عائشة۔

۶) عن سفيان الثوري، عن سعد بن إبراهيم، عن القاسم، عن عائشة۔

۷) يحيي بن زكريا بن أبي زائدة، عن محمد بن عمرو، عن يحيي بن عبد الرحمن بن حاطب، عن عائشة کے طریق سے ”سنن“ ابی داود (۴۹۳۷)، اور ”مسند“ ابی یعلی مَوصِلی (۴۶۷۳) میں ہے۔

۸) أبو عوانة، عن عبد الملك بن عمير، عن عائشة کے طریق سے ”المعجم الکبیر“ للطبرانی (ج: ۲۳، رقم: ۷۴) میں۔

۹) أبو سعد البقال، عن عبد الرحمن بن الأسود، عن أبيه الأسود، عن عائشة کے طریق سے مصدرِ سابق (ج: ۲۳، رقم: ۱۵۳) میں۔

۱۰) ایک اور طریق ”الآحاد والمثانی“ (۳۰۳۶)، و ”مصنف ابن أبي شيبة“ (۳۲۲۷۸) وغیرہ میں ہے، اُس میں فی الجملہ جہالت پائی جاتی ہے۔

سرسری نظر سے ”ہشام بن عروہ“ کی متابعتِ قاصرہ کے طور پر روایت کے یہ طرق جمع ہو گئے، مزید تتبع سے اس میں اضافہ مستبعد نہیں۔

حضرت عائشہؓ کی حدیث کا ایک شاہد:

پھر حضرت عائشہؓ کے علاوہ یہی مضمون ”سنن“ نسائی (۵۳۵۰) اور ابن ماجہ (۱۸۷۷) میں إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن أبي عبيدة، عن عبد الله بن مسعود کے طریق سے

بھی مروی ہے۔

اِس طریق کو اگرچہ نسائی نے گذشتہ دوسرے نمبر پر مذکور طریق کے بالمقابل مرجوح اور معلول قرار دیا ہے،اور بظاہر ان کی رائے قوی بھی ہے،بلکہ ترمذی نے بخاری سے بھی اُس کا خطا ہونا ہی نقل کیا ہے(علل الترمذي الكبير: ۲۹۶)۔

مگر یہاں طبرانی کی "معجم کبیر" (۱۰۲۷۹) میں شریک کی طرف سے اِسرائیل کی متابعت پائے جانے کی وجہ سے اِن حضرات سے فی الجملہ اِختلاف کی گنجائش بھی ہے۔ واللہ اعلم۔

بہر کیف! اتنے کثیر طرق اور اسانید کے ہوتے ہوئے روایتی لحاظ سے تو حضرت عائشہؓ سے اس کے ثبوت میں کوئی تردد اور احتمال باقی نہیں رہ جاتا، نیز اِس تفصیل اور تحقیق کے بعد معترضین کی طرف سے "ہشام بن عُروہ" کے دعویٰ اختلاط، اور امام مالک کی اُن سے متعلق جرح وغیرہ کی بھی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ جاتی، کیوں کہ اگر ہشام کے طریق سے یہ روایت نہ بھی ثابت ہوتی، جب بھی اُن کے علاوہ دس کے قریب رُواۃ اس کو سیدہ عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، جس سے روایت کے اندر اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اُس کو بلا تامل "صحیح" کہا جا سکتا ہے۔

بلکہ کسی صحابی سے حدیث کے اتنے طرق کے ہوتے ہوئے حنفیہ کی اصطلاح کے اعتبار سے روایت "شہرت" کے مرتبے کو پہنچ جاتی ہے، جس کا منکر "ضال" اور گمراہ قرار پاتا ہے۔

ہِشَام بن عُروہ کی روایتی حیثیت اور حدیثی مقام:

د: اِس وضاحت کے باوجود "ہشام بن عروہ" کی روایتی حیثیت اور ثقاہتی مقام پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں، مختصر الفاظ میں اُن کی حقیقت بھی بتانا ضروری ہے، اِن اعتراضات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"ہشام بن عروہ کو آخر عمر میں اختلاط اور نسیان کا مرض لاحق ہو گیا تھا، اور یہ روایت اُن کی آخر ہی عمر کی ہے، جس کا قرینہ یہ ہے کہ امام مالک نے اُن سے یہ روایت نہیں لی، اور نہ ہی اپنی "موطا" میں اس کی تخریج فرمائی، اور امام مالک فرمایا کرتے تھے کہ اُن کی وہ روایات تو صحیح ہیں جو وہ مدینہ کے قیام کے زمانہ میں بیان کیا کرتے تھے، اور وہ روایات مخدوش ہیں جو مدینہ سے عراق منتقل ہونے کے بعد بیان کرتے تھے"۔

اِس سلسلہ میں عرض ہے کہ:

أ: ہشام بن عروہ اپنی ذات میں نہایت بلند مرتبہ ثقہ راوی ہیں، جیسا کہ تمام محدثین نے اُن کے بارے میں توثیق اور تصدیق ہی کے کلمات فرمائے ہیں(۱)۔

ب: البتہ یہ بات بھی درست ہے کہ آخر عمر میں اُن کو کچھ کچھ بھول ہونے لگی تھی، مگر محدثین نے اُس کو معمولی نسیان قرار دیا ہے، اصطلاحی "اختلاط" نہیں مانا ہے۔

حافظ ابو الحسن ابن القطانؒ کی طرف سے اُن کے بارے میں دعویٔ اختلاط کی پرزور نفی کرتے ہوئے، علامہ ذہبیؒ کی یہ دلچسپ عبارت قابلِ ملاحظہ ہے(۲):

ہشام بن عُروة: أحد الاعلام، حجة إمام، لكن في الكِبَر تَناقصَ حفظه، ولم يختلط أبداً، ولا عبرة بما قاله أبو الحسن بن القطان من أنه وسهيل بن أبي صالح اختلطا، وتَغيَّرا، نَعم! الرجلُ تغيرَ قليلاً، ولم يبق حفظه كهُوَ في حال الشبيبة، فنسي بعض محفوظه أو وَهم، فكان ماذا! أهُو معصوم من النسيان!

ولما قدم العراق في آخر عمره حَدَّث بجملة كثيرة من العلم، في غضون ذلك يسيرُ أحاديث لم يُجوِّدها، ومثل هذا يقع لمالك ولشعبة ولوكيع ولكبار الثقات، فدَعْ عنك الخبط، وذَرْ خلط الائمة الاثبات بالضعفاء والمخلِّطين، فهشام شيخ الإسلام، ولكن أحسنَ الله عزاءنا فيك يا ابن القطان!!۔

ج: اور جہاں تک اُن کی مدنی اور عراقی روایتوں کے فرق کی بات ہے تو ابن خِراش نے اس کی وضاحت اِس طور پر کی ہے کہ: "ہشام کا عراق تین مرتبہ آنا ہوا ہے، جس میں تدریجاً ضعفِ حفظ کا ظہور ہوا ہے، چنانچہ پہلی مرتبہ میں تو ضعف کے کوئی آثار نہیں تھے، دوسری مرتبہ میں کچھ آہٹ محسوس

---

(۱) راجع: تهذيب الكمال ۳۰: ۲۳۲ (٦٥٨٥).

(۲) ميزان الاعتدال (٤: ۳۰۲).

ہونے لگی تھی، اور تیسری مرتبہ میں اُس کا باقاعدہ ظہور ہو گیا تھا۔

مزید فرماتے ہیں کہ آخری مرتبہ کے سننے والوں میں وکیع، ابن نمیر، اور محاضر ہیں" (۱)۔

عروہ کے رُواۃ کی جو فہرست پہلے گذر چکی ہے اُس میں اِن تینوں راویوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُن کے مذکورہ بالا دس گیارہ رُواۃ، سب یا اکثر اُن کی صحت کے زمانہ کے راویوں میں سے ہیں، نسیان اور بھول کے زمانے کے نہیں۔

د: اور امام مالک کا کسی سے روایت نہ لینا، یا اس کی روایت کی اپنی "موطا" میں تخریج نہ کرنا؛ یہ کسی بھی طرح اُس کے وَہن اور ضعف کو متلزم نہیں، روایت نہ لینے کی مختلف وجوہ ہو سکتی ہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ امام مالکؒ: ہشام بن عروہ سے اُس درجہ منشرح نہیں تھے جتنا کہ دوسرے ائمہ نے اُن پر بے تکلف اعتماد کیا ہے، مگر اِس کا منشا اپنی اپنی رائے اور معلومات کا فرق بھی ہو سکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ھ: اِس وضاحت کے باوجود یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ ہشام بن عروہ سے متعلق یہ بحث، صرف تکملۃً للموضوع اِضافی درجہ میں ہے، ہشام کی انفرادی حیثیت سے حدیث کی مجموعی حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ اپنی جگہ بہر حال بالکل صحیح اور بے غبار ہے۔

امید کہ ان تفصیلات سے نکاح ورخصتی کے وقت حضرت عائشہؓ کی عمر کے سلسلہ میں بخاری ومسلم وغیرہ کی مشہور روایت کا ثبوت، اور روایتی پہلو سے اُس کی صحت مدلل طور پر سامنے آگئی ہوگی۔

اَب آئندہ سطور میں حدیثِ عائشہؓ پر درایتی پہلو سے کیے گئے اعتراضات اور اُن کے جوابات ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) تہذیب الکمال (۳۰: ۲۳۹)۔

حدیثِ عائشہؓ کی درایتی بحث:

حدیث کے روایتی دِراسہ اور تحقیق کے بعد،بتوفیقه تعالیٰ وعونه درایتی پہلو سے کیے گئے اعتراضات اور اُن کے جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔

درایتی پہلو سے کیے گئے اعتراضات مع جوابات:

درایتی پہلو سے اعتراضات کا سلسلہ شروع کرنے سے بطور تمہید کے کچھ اِس طرح کی باتیں اٹھائی جاتی ہیں:

تمہیدی اعتراضات:

(ا): ”اس روایت کو لے کر مستشرقین اور اَعدائے اسلام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور اعلی سیرت و کردار پر زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع ملا،چوں کہ قدیم وجدید دور میں کم سِن لڑکی سے نکاح کرنا شریفانہ اخلاق کے خلاف سمجھا گیا،اِن اعتراضات کا سلسلہ جاری ہے،بلکہ موجودہ زمانے میں اس میں شدت آگئی ہے“اھ۔

جواب: سوٴال یہ ہے کہ ”شریفانہ اَخلاق“ کا معیار کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبنیٰ حضرت زید بن حارثہؓ کی مطلَّقہ سے نکاح فرمایا تھا،وہ ”شریفانہ اَخلاق“ کے دائرے میں تھا یا نہیں؟

نو عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنے کے سلسلے میں مستشرقین کیا کہتے ہیں؟

عورتوں کو دنیا کی پسندیدہ چیزوں میں سے قرار دینے پر اہلِ مغرب کا کیا ردِّ عمل ہے؟!۔

بات دراَصل یہ ہے کہ جب نعوذ باللہ دین کی،شریعت کی کوئی بھی چیز ٹیڑھی نظر آرہی ہو،تو یا تو ”شریفانہ اَخلاق“ کا اپنا پیمانہ درست کرنے کی ضرورت ہے،یا پھر اپنے اِیمان و یقین اور دینی واسلامی جذبے کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے؛کہ خدا نخواستہ کہیں اُسی میں تو کجی نہیں آگئی ہے۔

اگر کافروں،فاسقوں،فاجروں، ملحدوں،اللہ کے باغیوں اور نافرمانوں سے ”شریفانہ اَخلاق“ کا معیار متعین کرایا جانے لگا،تو نتیجہ یہی کچھ سامنے آئے گا،آخر جس عمل پر اللہ کے رسول کی طرف سے کوئی اظہارِ شرمندگی نہیں ہے،صحابہ،سلفِ صالحین،اور قدیم وجدید علمائے حق میں سے کسی کو شرمندگی نہیں

محسوس ہو رہی ہے، اُس پر ہم یا آپ کیوں شرمندہ ہوئے جارہے ہیں ؟!

دوسروں کو منوانے کے چکر میں اپنے مذہب ہی کی "اصلاح" کی کوشش میں نہیں لگ جانا چاہیے، یہ طرزِ عمل حمیتِ اسلامی اور غیرتِ ایمانی کے خلاف ہے۔

تمہیدی مضمون میں یہ بات بھی کہی جاتی ہے:

(۲): "پہلی بات یہ ذہن میں رکھنی چاہیے کہ بخاری شریف، یا امام بخاری معصوم نہیں، اور نہ ہی انھوں نے اس کا دعویٰ کیا، ان سے نقلِ حدیث میں غلطی کا اِمکان بہر حال ہے، اِسی طرح رُواۃِ حدیث سے بھی سہو وخطا کے اِمکان کو خارج نہیں کیا جاسکتا" اھ۔

جواب: امام بخاریؒ، کتابِ بخاری اور رُواۃِ بخاری کے معصوم نہ ہونے کی جس بات کے ذہن میں رکھنے کا مشورہ دیا جارہا ہے وہ اُمت کے ذہن میں پہلے ہی سے ہے، جبھی تو اُن پر انگلی اٹھانے والوں پر کفر وزَندقہ کا حکم نہیں لگایا جاتا، ورنہ معصوم کی تکذیب، یا اُس کی خبر میں کسی قسم کا شک وشبہ تو کھلا ہوا کفر ہے۔

پھر غیر معصوم سے سہو وغلطی کا ثبوت؛ یہ الگ چیز ہے، اور اس کا عقلی اِحتمال اور اِمکان؛ یہ بالکل علیحدہ اَمر ہے، محض عقلی احتمال اور اِمکان کی بنیاد پر کسی شخصیت، یا کسی عمل کی مسلَّمہ حیثیت کو مشکوک ٹھہرانے کی کوشش کرنا؛ کسی طرح بھی حوصلہ افزا طرزِ عمل نہیں ہے، اور اگر اُس سے ہمارا عقیدہ، ہمارے مسائل اور جذبات بھی وابستہ ہوں، پھر تو یہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارنا ہے۔

آخر کوئی وجہ اور کوئی معیار تو ہونا چاہیے بخاری کی، یا کسی بھی ثقہ راوی کی روایت کو چیلنج کرنے کے لیے، یا کوئی بھی شخص "عقلی اِمکان" اور "مستشرقین کے اعتراضات" کے حوالے سے کسی بھی روایت پر ہاتھ صاف کردے ؟!

اِس حوالے سے تمہیدی مضمون میں یہ وضاحت پیش کی جاتی ہے:

(۳): "ایک دو نہیں، بلکہ متعدد صحیح احادیث، تاریخی واقعات اور معتمد سیرت نگار ومؤرخین کے بیان کردہ اقوال بخاری ومسلم میں موجود مذکورہ بالا روایت کی صحت پر اہم سوالیہ نشان کھڑا کرتے ہیں۔

اِس روایت کی صحت کے ناقابلِ تذبذب یقین نے مسلمانوں کو دفاعی پوزیشن میں کھڑا کردیا ہے، لیکن

افسوس اس بات کا ہے کہ یہ دفاعی پوزیشن غیر مفید ثابت ہوئی ہے، کیوں کہ اس حدیث کی صحت اور اس کے نتیجے میں اعتراضات کے جواب میں جن دلائل کا سہارا لیا گیا؛ عقلاً و نقلاً اور عرف وعادت کے اعتبار سے بھی قابل قبول نہیں۔

..... احادیث و سیرت نبوی کے اہم مصادر و مآخذ میں غور و فکر سے متعدد قوی دلائل ملتے ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے وقت کم از کم ۱۳ سال تھی، اور بوقتِ رخصتی ۱۶ سال تھی۔ جب کہ راجح قول، دلائل و تاریخی حقائق کو دیکھتے ہوئے یہ سامنے آتا ہے کہ آپ کی عمر نکاح کے وقت ۱۵، جب کہ بوقتِ رخصتی کم از کم ۱۷ یا ۱۸ سال تھی" اھ۔

جواب: یہاں جواب میں چند باتیں عرض کی جاتی ہیں:

أ: حضرت عائشہؓ کی روایت کی صحت پر **روایتی پہلو** سے جو سوالیہ نشانات لگائے گئے تھے، گذشتہ سطور میں وہ تو بفضلہ تعالی بالکلیہ مٹائے جا چکے ہیں۔

ب: اِس حدیث پر غیروں کی طرف سے وارِد کیے جانے والے اعتراضات سے کون سے مسلمان دفاعی پوزیشن میں آئے ہیں؟ اس کی وضاحت ضروری ہے۔

اِس لیے کہ الحمد للہ اہلِ حق دینی عقائد واَحکام اور ثابت شدہ آیات وروایات کے سلسلے میں کبھی بھی دفاعی پوزیشن میں نہیں آتے، وہ تو "اِیمان بالغیب" رکھتے ہیں کہ اگر یہ بات اللہ ورسول کی طرف سے ہے، تو وہ بہرحال سچ اور برحق ہے؛ وإن رغم أنف فلان وفلان۔

ج: معترضین کے اعتراضات کے جواب میں، یا رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس مبارک عمل کی تشریح کرتے ہوئے، اور اس کی حکمتوں پر روشنی ڈالتے ہوئے، علمائے اسلام نے جو جوابات دیئے ہیں، وہ معترضین کے بقول تسلی بخش نہیں ہیں۔

یہاں بھی بات وہی ہے کہ جب روایت اُصول کے اعتبار سے ثابت اور صحیح ہے، تو اصل جواب تو روایت کا حوالہ ہے، باقی حکمتوں کا بیان، اور اعتراضات کے جوابات وغیرہ تو بطور تبرع کے ہوتے ہیں، اگر کسی با توفیق کی سمجھ میں آجاتے ہیں، تو اُس کی سعادت و نیک بختی ہے، ورنہ: {وَمَا أَنْتَ بِهَادِي الْعُمْيِ عَنْ ضَلَالَتِهِمْ، إِنْ تُسْمِعُ إِلَّا مَنْ يُؤْمِنُ بِآيَاتِنَا فَهُمْ مُسْلِمُونَ} [النمل: ۸۱] کی تسلی ہمارے

لیے موجود ہے۔

د: حدیثِ عائشہؓ کو دیگر صحیح تاریخی روایات وواقعات کے معارض قرار دے کر معلول ٹھہرایا گیا ہے، اور اس کے لیے چھ دلائل پیش کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے، آئندہ سطور میں دیکھتے ہیں کہ یہ دعویٰ کس حد تک درست ہے؟ واللہ ولی التوفیق والرشاد:

حدیثِ عائشہؓ کے معارض مزعومہ دلائل وقرائن اور اُن کے تحقیقی جوابات:

اعتراض (ا): ''بخاری ہی میں روایت موجود ہے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: ''میں نے جب سے ہوش سنبھالا (سوچنے سمجھنے کے لائق ہوئی) اپنے والدین کو دینِ اسلام پر قائم پایا، اور کوئی دن ایسا نہیں گذرتا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر صبح وشام تشریف نہ لاتے ہوں، اور جب مسلمانوں کے خلاف ایذا رسانی بڑھ گئی ابو بکر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے''۔ (البخاری کتاب المناقب)

علمائے حدیث وسیرت کے نزدیک یہ بات بالاتفاق طے ہے کہ ہجرتِ حبشہ نبوت کے پانچویں سال میں ہوئی، اپنے والدین کو اسلام کا متبع پانا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صبح وشام اپنے گھر میں تشریف لانا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا حبشہ ہجرت کرنا وغیرہ، حضرت عائشہؓ کا اِدراک بتاتا ہے کہ ان کی عمر اس وقت کم از کم ۶ یا ۷ سال رہی ہوگی۔

یعنی ان کی پیدائش بعثتِ نبوی سے ۲، ۳ سال قبل کی تھی۔

اِس اعتبار سے قبل ہجرت بوقتِ نکاح ان کی عمر کم از کم ۱۳، ۱۴ سال تھی، اور اس کے تین سال بعد رخصتی کے وقت ان کی عمر کم از کم ۱۶، ۱۷ سال تھی''۔

جواب: ابتدائے مضمون میں ایک عربی مقولہ نقل کیا گیا تھا: ''أثبت العرش، ثم انقش علیه''، وہی مقولہ یہاں بھی پیش کر کے یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ جن بنیادوں کے حوالے سے اِعتراضات کی اتنی لمبی چوڑی دیوار کھڑی کی جارہی ہے، پہلے دیکھ لینا چاہیے کہ وہ بنیادیں ثابت بھی ہیں یا نہیں، اِس لیے کہ:

أ: حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت ہوئی، پہلی ہجرت میں گیارہ اَفراد تھے، اور دوسری میں تراسی کے قریب تھے، کیا حضرت ابو بکر صدیقؓ کا نام کسی فہرست میں ملتا ہے؟

ب: بخاری (۲۲۹۸،و۳۹۰۵) کی جو روایت پیش کی گئی ہے، اگر اُس کا پورا مضمون ذکر کر دیا جاتا، تو مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا، کیوں کہ اُس میں صراحت ہے کہ آپ کی یہ ہجرت نبوت کے پانچویں سال میں کی جانے والی وہ مشہور ہجرتِ حبشہ نہیں تھی۔

بلکہ آپ ہجرتِ مدینہ سے چند ماہ قبل اپنے طور پر حبشہ کے لیے نکلے تھے، ''بَرک الغِماد'' نامی بستی تک پہنچے تھے کہ بنو قارَۃ کا ابن الدَّغِنَہ نامی سردار مل گیا، وہ آپ کو بمنت سماجت واپس لایا، پھر آپ اُس کی امان میں رہتے ہوئے عبادت میں مشغول ہوئے، مگر غیرت نے گوارا نہ کیا کہ اللہ کی امان کے بجائے، غیر اللہ کے جِوار کے بل بوتے پر رہا جائے، اِس لیے بعد چندے یہ کہہ کر اُس کی امان واپس کر دی: إني أردُّ إليك جِوارَك، وأرضَى بجوار الله۔

اسی قصے کے آخر میں ہے کہ جس زمانے میں آپ نے اُس کی امان واپس کی، اُسی کے آس پاس کے زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ہجرتِ مدینہ کی خوش خبری سنائی، اور حضرت ابوبکرؓ کو تیاری کا حکم فرمایا۔

اِس سیاق سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے، بلکہ متعین ہو جاتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی یہ گفتگو ہجرتِ مدینہ کے قریب کے زمانے کی ہے، اور اُس وقت موصوف کے کیے ہوئے تجزیے کے مطابق اُن کی عمر ۶،۷ سال بنتی ہے، ایسی صورت میں تو یہ روایت، بجائے پہلی حدیث کے معارض ہونے کے، اُس کی بہت بڑی مؤید ہو جاتی ہے، اور معترضین کی قائم کردہ پہلی دلیل خود اُن ہی پر پلٹ جاتی ہے! فللہ الحمد، ولہ الشکر۔

اعتراض(۲): ''اِمام اَحمد نے ''مسند عائشہ'' میں ایک روایت بیان کی ہے کہ ''جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا، حضرت خولہ بنت حکیمؓ تشریف لائیں، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ شادی کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کس سے؟ عرض کیا: «إن شئتَ بكراً وإن شئتَ ثيباً» (اگر آپ چاہیں تو شادی شدہ بھی ہیں اور کنواری بھی)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کنواری کون ہے؟ عرض کیا: آپ کے سب سے محبوب ابوبکر کی بیٹی عائشہ۔

یہاں غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت خولہؓ نے حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپ کی تنہائی دور کرنے،

گھر سنبھالنے، اور زندگی کی تگ ودَو میں ہاتھ بٹانے کی غرض سے حضرت عائشہ کی تجویز پیش کی تھی، جس کا مقصد واضح طور پر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ نکاح کے بعد فوری طور پر گھر بسالیں، نہ کہ نکاح تو ابھی کرلیں، لیکن چونکہ وہ بچی و نابالغ ہیں اس لیے رخصتی کے لیے ان کے بالغ ہونے کا انتظار کرنا ہوگا۔ حضرت خولہ نے جب یہ کہا: چاہیں تو شوہر دیدہ (عمر والی) اور چاہیں تو کنواری، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کنواری کہنے سے ان کی مراد بالغہ کنواری ہے، نہ کہ نابالغ بچی"۔

جواب: اً: اُصولِ فقہ کا مشہور قاعدہ ہے: إذا جاء النص بطل القياس (جب کسی مسئلہ میں صراحت آجائے تو عقلی قیاس کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی)۔

مسند احمد (۲۵۷۶۹) کے حوالے سے حضرت خولہؓ کی جس روایت کا حوالہ دیا جارہا ہے، وہ دراَصل حضرت عائشہؓ ہی کے طریق سے ہے، وہ خود اپنا قصہ سنارہی ہیں کہ جب حضرت خدیجہؓ کی وفات ہوئی تو عثمان بن مظعونؓ کی اہلیہ خولہ بنت حکیمؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شادی کی یہ تجویز لے کر آئیں، پھر حضرت عائشہؓ نے اپنے اور حضرت سودہؓ کے نکاح کا پورا تفصیلی قصہ بیان فرمایا، اور اُس میں راوی نے صراحت کی ہے کہ جس وقت پیغامِ نکاح آیا تھا عائشہؓ کی عمر چھ برس کی تھی: فدعته، فزَوَّجها إياه؛ وعائشة يومئذ بنت ست سنين۔

پھر مدینہ منتقلی، اور رخصتی سے پہلے کا سارا قصہ سنانے کے بعد، اِسی روایت میں حضرت عائشہؓ خود فرماتی ہیں کہ جس وقت میری رخصتی ہوئی ہے اُس وقت میری عمر نو برس تھی: فخرجوا وبَنى بي رسول الله صلى الله عليه وسلم في بيتنا ... وأنا يومئذ بنت تسع سنين۔

بھلا ایسی صراحتوں کے بعد اِدھر اُدھر کے آنکڑوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟!

ب: یہاں پہنچ کر دوسری دلیل کا جواب تو مکمل ہوگیا، البتہ کم عمری میں کیے جانے والے اِس نکاح کی من جملہ حکمتوں کے یہ دو اہم حکمتیں مجھ جیسے معمولی طالب علم کو بھی سمجھ میں آتی ہیں:

۱: جس طرح اہلِ جاہلیت کے ہاں متبنیٰ کی منکوحہ سے نکاح کو معیوب سمجھنے کی غلطی کی اِصلاح حضرت زینبؓ سے آپ کا نکاح کراکے کرائی گئی، اسی طرح ممکن ہے کہ اِس نکاح سے "جاہلیتِ جدیدہ" میں مبتلا اُن لوگوں کی اصلاح مقصود ہو جو کہ صغیرہ سے نکاح کو (جس کا جواز قرآن، حدیث، اِجماع اور

قیاس تمام دلائل سے ثابت ہے) "شریفانہ اَخلاق" کے منافی سمجھتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

۲: نابالغ بچی کی اجازت کے بغیر، والد اگر وکالتاً اُس کا نکاح کر دے، تو یہ بھی بالاجماع جائز ہے، علماء نے اِس کی دلیل اِسی قصہ عائشہؓ کو بنایا ہے، یہ بھی اِس حدیث کے فوائد میں سے ایک بڑا فائدہ ہے۔

اِس طرح سے یہ روایت بھی پہلی حدیث کی مؤید ہی ہے، اور جس چیز کو معارضہ کی دلیل کے طور پر پیش کیا گیا تھا، وہ موافقت کی دلیل بن گئی! فللّٰہ الحمد، ولہ الشکر۔

اعتراض (۳): "اِمام اَحمد ہی کی روایت ہے کہ خولہ بنت حکیم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغامِ نکاح حضرت عائشہ کی ماں اُمِّ رُومانؓ کو دیا، تو انھوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا: کاش کہ ایسا ہو! لیکن ان کی بات مطعم بن عدی کے بیٹے جبیر بن مطعم کے ساتھ چل رہی ہے، ابوبکر نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے، اور ابوبکر کبھی وعدہ خلافی نہیں کرتے، لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان سے انتظار کرنے کے لیے کہا، اور مطعم بن عدی کے پاس گئے اور ان سے عائشہ کے لیے دیے ہوئے رشتے کے سلسلے میں بات کی (وہ لوگ مشرک تھے اور ابوبکر کے اِیمان لانے سے خوش نہ تھے)، مطعم کی بیوی نے یہ کہتے ہوئے اِنکار کر دیا: **مجھے خوف ہے کہ عائشہ میرے بیٹے کو اپنے دین سے پھیر دیں گی۔**

مطعم بن عدی نے حضرت عائشہؓ کے لیے پیغامِ نکاح کب دیا ہو گا؟ ظاہر ہے کہ اِسلام کے ابتدائی دور میں جب معاشرے میں اِسلام کی دعوت کو لے کر کشیدگی نہ تھی۔ جب اِسلام کی مخالفت اور مسلمانوں کی ایذا رسانی میں شدت آئی جو ابو طالب اور حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد ہوئی، تو مسلمانوں کا بائیکاٹ اور ان سے تعلقات منقطع ہونے شروع ہوئے، جس کے نتیجے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں صاحبزادیوں: رقیہ واُم کلثوم رضوان اللہ علیہما کو طلاق دے دی گئی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ مطعم بن عدی کے گھر والوں نے بھی حضرت عائشہؓ کے ساتھ اپنے بیٹے کی منگنی توڑ دی۔

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کے لیے جبیر بن مطعم کے ساتھ پیغامِ نکاح کا واقعہ ہجرتِ نبوی سے کافی پہلے کا ہے، جب حالات اچھے تھے، اور معاشرے میں دعوتِ اِسلامی کو لے کر اختلاف پیدا نہیں ہوئے تھے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ ہجرت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکاح کے وقت سیدہ عائشہؓ کی عمر ۶ سال تھی تو جبیر بن مطعم کے ساتھ پیغام نکاح کی بات گویا اس وقت کی گئی تھی جب ان کی عمر ۶ سال سے بھی کم تھی؟ یہ

تصور ہی مشکل ہے کہ اگر جبیر بن مطعم کے ساتھ نکاح ہو جاتا تو کیا حضرتِ عائشہؓ اس کم عمری میں رخصت کرالی جاتیں؟ اوران میں اتنی سوجھ بوجھ، عقل وفہم تھی کہ اپنے ہونے والے شوہر کا دین بدل سکیں؟ کیونکہ اسی خدشے کو منگنی ختم کرنے کا سبب بنایا گیا۔

اس واقعے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اس وقت سوجھ بوجھ والی بالغ خاتون تھیں، یہی وجہ تھی کہ مطعم بن عدی کو خوف ہوا کہ عائشہؓ نکاح کے بعد ان کے بیٹے کو اپنی طرح مسلمان بنالیں گی"۔

جواب: یہ روایت بھی مسند احمد کی گذشتہ روایت ہی کا ایک جزء ہے، لہٰذا اِس میں بھی عمر کی تعیین کی وہ صراحت موجود ہے، جس کے ہوتے ہوئے آگے کے تحلیل وتجزیہ کا موقع ہی ختم ہوجاتا ہے، اور یہ روایت بھی در حقیقت جمہور کے دلائل میں سے ہوجاتی ہے، نہ کہ معترضین کے دلائل میں سے۔

اور اگر بالفرض اِس کو معترضین کی ایک مستقل دلیل تسلیم بھی کرلیا جائے تو اِس میں استدلال کے طور پر دوباتیں بطور خاص کہی گئی ہیں:

أ: اولاً تو یہ دعوی کیا گیا کہ جبیر بن مطعم کی والدہ نے یہ خدشہ ظاہر کیا کہ اگر یہ رشتہ کیا گیا تو عائشہؓ میرے بیٹے کا دین بدلوادے گی۔

پھر اِس سے یہ استدلال کیا گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عائشہؓ اُس وقت اتنی سوجھ بوجھ والی تھیں کہ اپنے شوہر پر اثرانداز ہو سکتی تھیں۔

حالاں کہ مسند احمد کی روایت میں اِس طرح کی کوئی بات عائشہؓ کی طرف منسوب ہی نہیں ہے، بلکہ وہاں تو یہ بات حضرت ابوبکرؓ کے بارے میں کہی گئی ہے: فقالت: يا ابن أبي قحافة! لعلك مصبئ صاحبنا، مدخله في دينك الذي أنت عليه؛ إن تزوج إليك (مطعم بن عدی کی زوجہ بولی: ابو قحافہ کے بیٹے! اگر یہ رشتہ ہوجاتا ہے تو اندیشہ ہے کہ تم ہمارے بیٹے کا بھی دین بدلوا کر اُس کو اپنے اُس دین میں داخل کردوگے جس پر تم خود ہو)۔

جب بنیاد ہی منہدم ہو گئی تو آگے کی تعمیرات کے مواقع ہی جاتے رہے۔

ب: دوسری یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ یہاں عائشہؓ کا جبیر سے صرف رشتہ ہوا تھا، شادی کی ابھی

کوئی بات نہیں ہوئی تھی،اور یہ تو آج بھی ہوتا ہے کہ بہت مرتبہ آپسی رشتہ داروں کے ہاں، کسی مصلحت یا مناسبت سے رشتے بالکل بچپن میں کردیئے جاتے ہیں،یہ تو کوئی اچھنبے کی بات ہے ہی نہیں،غالباً حافظ ابن عبد البرؒ نے اپنے اِس قول: كانت تُذكَر لِـجُبير بن مُطعِم وتُسمّى له (الاستيعاب ٤: ١٨٨١) میں اِسی نکتے کی طرف اِشارہ کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ج: بلکہ اگر تحقیقی نظر سے تاریخ وسیرت کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سیدہ فاطمہؓ کے علاوہ تمام ہی بناتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح نہایت کم عمری میں ہو گیا تھا،جس کی مزید تفصیل اِن شاء اللہ آخری اعتراض کے جواب کے تحت آئے گی۔

د: اِس سے بھی آگے بڑھ کر ابو داود شریف (۲۱۰۳) میں میمونہ بنت کَردَمؓ کی ایک روایت ہے جس سے پتہ چل رہا ہے کہ عرب میں بعض مرتبہ پیدائش سے پہلے ہی رشتے کا وعدہ کر لیا جاتا تھا۔

تو ایسے کمزور خدشات کی بنا پر خود اُسی روایت میں موجود تصریح کو نظر انداز کرنا،یا اس کی بنا پر دوسری نہایت طاقتور روایت کو کمزور باور کرانے کی کوشش کرنا؛ ہم نہیں جانتے کہ عقل وسائنس کے کس اصول کی روشنی میں اس کا جواز ثابت ہو سکتا ہے؟!

اعتراض(۴): ”بخاری کی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ میں یہ آیت نازل ہوئی {بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُ} [القمر: ٤٦]۔ اس وقت میں جاریہ تھی، کھیل کود میں رہتی تھی۔

یہ آیت سورۂ قمر کی ہے،جو نبوت کے پانچ سال بعد نازل ہوئی۔

”جاریہ“ عربی میں ۶ سے ۱۳سال،یعنی بلوغ سے قبل عمر کی لڑکی کو کہتے ہیں،حضرت عائشہؓ کا یہ فرمانا کہ یہ آیت جب نازل ہوئی میں جاریہ تھی، یعنی سوجھ بوجھ والی عمر تھی،اور نازل ہونے والی آیت کا مفہوم ومطلب سمجھتی تھی، یعنی ان کی عمر کم از کم ۶/ ۷ سال تھی۔اس طرح نکاح کے وقت ان کی عمر تقریبا ۱۳/ ۱۴ سال،اور رخصتی کے وقت کم از کم ۱۶سال ہوئی۔

حدیثِ بالا بھی جو بخاری ہی کی حدیث ہے،اُس حدیث سے متعارض ہے جس میں آپ کی عمر بوقتِ نکاح ۶

سال بتائی گئی، کیونکہ کہ اس حدیث کے مطابق تو حضرت عائشہؓ کی عمر سورۂ قمر کے نزول کے وقت سنہ ۵ پانچ قبل الہجرہ دودھ پیتی بچی کی بنتی ہے، جب کہ آپ کا کہنا ہے کہ: كنتُ جاريةً ألعب میں جاریہ تھی!"۔

جواب: أ: آیتِ مذکورہ کا نزول تو یقیناً مکہ مکرمہ میں ہجرت سے قبل ہوا ہے، مگر ہجرت سے کتنے سال قبل ہوا ہے؛ اس کی کوئی صحیح دلیل سند کے ساتھ احقر کو نہیں ملی، اگرچہ بعض متاخرین مفسرین (قرطبیؒ وغیرہ) نے حضرت ابن عباسؓ سے اِس آیت کے نزول کے وقت اور جنگِ بدر کے زمانے کا فاصلہ سات سال لکھا ہے، مگر اس کی کوئی سند یا حوالہ نہیں درج فرمایا، فاللہ اعلم۔

ب: "جاریہ" کے لفظ کے بارے میں تعیین کی گئی ہے کہ وہ "**۶ سے ۱۳ سال، یعنی بلوغ سے قبل عمر کی لڑکی کو کہتے ہیں**"۔

ایک تو تحقیقی لحاظ سے یہ انتہائی کمزور، بلکہ شاید بے بنیاد دعویٰ ہے، بخاری (۲۳۰۹) و مسلم (۷۱۵) میں حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا: فهلا جاريةً تُلاعِبُها وتُلاعِبُكَ؟ (کیوں نہیں تم نے "جاریہ" سے شادی کی کہ تم اُس سے کھیلتے، وہ تم سے کھیلتی؟!)۔

معلوم ہوا کہ "جاریہ" سے نکاح تک بھی کیا جاسکتا ہے!

اِس کے علاوہ ہمارے سامنے اِس وقت دو حدیثیں ایسی ہیں جن میں "جاریہ" کا اِطلاق دودھ پیتی بچی پر کیا گیا ہے:

۱: پہلی حدیث "سننِ اربعہ" کی ہے: يُغسَل من بول الجارية، ويُنضَح من بول الغلام ما لم يَطعم (بچی اگر پیشاب کردے تو مَل کر دھویا جائے، اور بچہ اگر پیشاب کردے تو صرف پانی بہادینا کافی ہے؛ جب تک کھانا نہ شروع کیا ہو)۔

۲: اِسی طرح عقیقہ سے متعلق "سنن" ہی کی روایات میں آتا ہے: عن الغلام شاتان، وعن الجارية شاة (نومولود لڑکے کی طرف سے دو بکریاں ذبح کی جائیں، اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری)۔

علاوہ ازیں یہاں حضرت عائشہؓ ہی سے متعلق تین حدیثیں ایسی پیش کی جاتی ہیں جن میں اُن کے لیے "جاریۃ" کالفظ شادی کے بعد بھی اِستعمال ہوا ہے:

۱: بخاری (۵۲۳۶) و مسلم (۸۹۲) کی روایت ہے، حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ حبشہ سے آئے ہوئے کچھ لوگ مسجدِ نبوی میں نیزہ بازی کا کرتب دکھارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بنفسِ نفیس ملاحظہ فرمارہے تھے، آپ کی آڑ میں مَیں بھی کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھیں، آپ میری وجہ سے دیر تک کھڑے رہے، پھر جب میرا دل بھر گیا، جب آپ ہٹے۔

آخر میں فرماتی ہیں: کہ ذرا میری جیسی کم عمر لڑکی کا کھیل کا شوق تو دیکھو! فاقدروا قدر الجارية الحديثة السن، الحريصة على اللهو۔

رخصتی کے بعد کا یہ قصہ ہے، اُس وقت بھی خود کو "جاریہ" کہہ رہی ہیں، وہ بھی "کم سِن"!

۲: قصہ اَفک میں ہے کہ جب میں ہار کی تلاش میں پیچھے رہ گئی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام نے میرا (خالی) ہودج اٹھایا تھا تو میری کم عمری، اور کم وزنی کی وجہ سے اُن کو اندازہ ہی نہیں ہوا کہ اِس میں کوئی ہے، یا نہیں؟ فلم يستنكر القوم خفة الهودج حين رفعوه، وكنت جارية حديثة السن، فبعثوا الجمل وساروا [بخاري: ۲٦٦۱، ٤۷٥۰، ومسلم: ۲۷۷۰]۔

سنہ ۵/ ہجری کے آس پاس کا واقعہ ہے، اور حضرت عائشہؓ ابھی تک "جاریہ" ہی ہیں!

۳: حجۃ الوداع کے سفر کے قصے میں مسلم (۱۲۱۱) کی روایت میں ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اپنے بھائی عبدالرحمن کے ساتھ عمرۂ تنعیم کے لیے جاتے ہوئے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں اپنے بچپنے کی وجہ سے اونٹ پر بیٹھی اِس طرح اونگھ رہی تھی کہ بار بار میری پیشانی کجاوہ سے ٹکرا جا رہی تھی: فإني لأذكر، وأنا جارية حديثة السن، أنعس فيصيب وجهي مؤخرة الرحل، حتى جئنا إلى التنعيم۔

لفظِ "جاریہ" کے اِن تینوں مواقعِ اِستعمال سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ اُس کے اِستعمال کو ٦

سے ۱۳سال تک کے لیے محدود کرنا؛کوئی لائقِ اِعتناء قول نہیں ہے،وہیں یہ بات بھی روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت عائشہؓ،شادی کے وقت انتہائی کم عمر تھیں، جبھی تو حجۃالوَداع جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صرف تین ماہ قبل ہوا ہے، اُس وقت تک بھی آپ "جارية" ہی رہیں، وہ بھی "حديثة السن" (نوعمر)!۔

معترضین کے دعوی کے اعتبار سے تو حجۃالوَداع (سنہ ۱۰ھ) تک سیدہ عائشہؓ کی عمر ۲۷سال کے قریب ہونی چاہیے،اور ایسے میں "جارية" کا اِطلاق،اور وہ بھی "حديثة السن" کی قید کے ساتھ،خود ہی غور کرنا چاہیے کہ اِس کی کیا حیثیت بنتی ہے ؟!۔

اعتراض(۵): أ: "تاریخی مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ اپنی بہن اَسماء بنت ابی بکرؓ سے دس سال چھوٹی تھیں، حجاج بن یوسف کے ہاتھوں اپنے بیٹے عبداللہ بن الزبیرؓ کے قتل کے بعد ان کا انتقال سنہ ۷۳ ہجری میں ہوا،اور ان کی عمر اُس وقت سو سال کی تھی۔

کئی معتبر مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت اَسماءؓ کی عمر بعثتِ نبوی کے وقت ۱۴سال تھی، ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۷سال تھی،اور سنہ ۷۳ ہجری میں پورے (۱۰۰) سو سال کی تھیں،اِس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ ہجرت کے وقت، آپ سے دس سال کم یعنی سترہ سال کی تھیں۔ اور اس سال کے اخیر میں آپ کی رخصتی ہوئی،اس اعتبار سے آپ کی عمر رخصتی کے وقت ۱۸سال بنتی ہے۔

ب: ابن عبدالبر کے مطابق بھی حضرت اَسماءؓ،حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں۔ (تہذیب التهذیب ۱۰/ ۴۳۱)۔

ج: طبری پورے یقین کے ساتھ اپنی کتاب "تاریخ الاُمم" میں لکھتے ہیں کہ اَبوبکر کی ساری اولاد دورِ جاہلیت میں یعنی اِسلام سے قبل پیدا ہوئی۔(تاریخ الأمم والملوك ۴/ ۵۰)۔

حضرت عائشہؓ کی ولادت اگر قبل بعثت ۳/ ۴ سال مانی جائے، تو ہجرت سے قبل بوقتِ نکاح آپ کی عمر ۱۶/۱۷ سال تھی،اور وقت رخصتی کم ازکم ۱۸ یا ۱۹سال تھی۔

اور اگر آپ کی ولادت قبل بعثت ایک سال مانی جائے تب بھی وقتِ ہجرت آپ کی عمر ۱۴سال اور بوقت رخصتی کم ازکم ۱۵سال بنتی ہے۔

د: ابن حجر کے بقول حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے ۵ سال بڑی تھیں، حضرت فاطمہؓ کی پیدائش ۵ سال قبلِ بعثت، تعمیرِ کعبہ کے وقت ہوئی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی۔ (الإصابة في تمييز الصحابة ۴/ ۳۷۷)"۔

جواب: أ: حضرتِ اسماءؓ کی عمر تو مسلَّم ہے کہ ہجرت کے وقت ۲۷ برس تھی، مگر وہ حضرت عائشہؓ سے دس ہی سال بڑی تھیں، یہ ایک روایت ہے، دوسرا قول علامہ ذہبی کا ہے: وكانت أسن من عائشة ببضع عشرة سنة(۱)۔ کہ اسماءؓ، عائشہؓ سے دس سال سے زیادہ بڑی تھیں، اور یہ معلوم ہے کہ "بضع" کے لفظ کا اِطلاق تین سے (یا ایک سے) نو تک کے عدد پر ہو جاتا ہے۔

ایسی صورت میں دونوں کی عمروں کا یہ تفاوت ۱۸/ ۱۹ سال کا بھی ہو سکتا ہے، اور اسی سے تمام روایات میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ب: "ابن عبد البر کے مطابق بھی حضرت اَسماءؓ، حضرت عائشہؓ سے دس سال بڑی تھیں"۔

ابن عبد البر کے اصل الفاظ اِس طرح ہیں: ... قال: حدثنا ابن أبي الزناد قال: قالت أسماء بنت أبي بكر، وكانت أكبرَ من عائشة بعشر سنين أو نحوها(۲)۔

یعنی حافظ ابن عبد البر اپنی سند سے ابن ابی الزناد سے نقل کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ **دونوں بہنوں میں دس سال کے آس پاس کا فرق تھا**، انھوں نے بالجزم کوئی متعین بات نہیں فرمائی۔

اِس کے بر خلاف خود ابن عبد البر کا اپنا قول یہ ہے: تزوجها رسول الله صلى الله عليه وسلم بمكة قبل الهجرة بسنتين. هذا قول أبي عبيدة. وقال غيره: بثلاث سنين، وهي بنت ست سنين، وقيل: بنت سبع، وابتني بها بالمدينة، وهي ابنة تسع، لا أعلمهم اختلفوا في ذلك (الاستيعاب في معرفة الأصحاب ٤: ١٨٨١).

---

(۱) سير أعلام النبلاء (٢: ٢٨٨).

(۲) الاستيعاب في معرفة الأصحاب (٢: ٦١٦).

(آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہؓ سے ہجرت سے دو سال قبل مکہ مکرمہ میں نکاح فرمایا، یہ ابو عبیدہ کا قول ہے، اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ہجرت سے تین سال قبل نکاح فرمایا؛ جب کہ عائشہؓ کی عمر چھ، یا سات سال تھی، اور رخصتی مدینہ منورہ میں ۹ سال کی عمر میں ہوئی، **اِس میں مجھے نہیں معلوم کہ کسی کا اِختلاف ہے**)۔

دراصل یہاں دو مسئلے الگ الگ ہیں: ایک حضرت اسماء اور حضرت عائشہ کی عمروں کا تفاوت۔ دوسرے بوقتِ نکاح ور خصتی حضرت عائشہ کی عمر۔

تو پہلے مسئلے سے متعلق ابن عبد البر نے اپنے قول کے بجائے، ابن ابی الزناد کی بات نقل کی ہے، وہ بھی جزم کے ساتھ نہیں ہے، بلکہ **بعشر سنين أو نحوها** کے الفاظ کے ساتھ۔

دوسرے مسئلے کے بارے میں ابن عبد البر خود اپنی ذمہ داری پر بات کہہ رہے ہیں، وہ بھی اِس یقین اور خود اعتمادی کے ساتھ: لا أعلمهم اختلفوا في ذلك۔ کہ اِس میں کسی کا اختلاف میرے علم میں نہیں۔

اَب خود ہی فیصلہ کرنا چاہیے کہ ابن عبد البر جو بات دوسرے سے نقل کر رہے ہیں، اُس کو اُن کا قول مانا جائے، یا جو بات اپنی ذمہ داری پر اِس وضاحت کے ساتھ فرمارہے ہیں کہ اِس میں میرے علم میں کسی کا اِختلاف بھی نہیں ہے، اُس کو اُن کا قول تسلیم کیا جائے۔

پھر دوسرے کے بارے میں، کسی تیسرے کے قول کی بنیاد پر، جو خود اپنی بات کر رہا ہے اُس کے دعوے کو جھٹلانا؛ یہ کہاں کا اِنصاف، اور کیسی دانشمندی ہے؟

اِس اِجمال کی تفصیل یہ ہے کہ عائشہؓ خود اپنے بارے میں یقین کے ساتھ بتارہی ہیں کہ میں نکاح کے وقت ۶ سال کی تھی، اِس میں تو تردد کا اِظہار کیا جارہا ہے! اور وہاں ابن ابی الزناد: اسماء اور عائشہ کی عمروں کا موازنہ کر رہے ہیں، اور یہ پتہ نہیں ہے کہ اُن کے پاس اِس کی کوئی بنیاد بھی ہے، یا صرف اندازہ ہی سے کہہ رہے ہیں (جیسا کہ أو نحوہا سے اسی کا شبہ ہوتا ہے)، پھر بھی اِن کے قول سے عائشہؓ کی اطلاع

کو مشکوک کرنے کی کوشش کی جارہی ہے! یہ کیسی علمی تحقیق ہے؟!

ج: "طبری پورے یقین کے ساتھ اپنی کتاب "تاریخ الأمم" میں لکھتے ہیں کہ اَبوبکر کی ساری اولاد دورِ جاہلیت میں یعنی اِسلام سے قبل پیدا ہوئی"۔

یہ غلط فہمی طبری کی عبارت کے نا سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے، "تاریخ الطبری" (۳: ۴۲۵) میں پوری عبارت اِس طرح ہے:

تزوج أبو بكر في الجاهلية قُتيلة، وهي قتيلة ابنة عبد العزى ....، فوَلدت له عبدَ الله وأسماء، وتزوج أيضاً في الجاهلية أم رومان بنت عامر .....، فولدت له عبد الرحمن وعائشة، فكل هؤلاء الأربعة من أولاده وُلدوا من زوجتيه اللتين سمَّيناهُما في الجاهلية، وتزوج في الإسلام أسماء بنت عميس ......

اس کا ترجمہ یہ ہے:

(ابو بکر نے جاہلیت کے زمانے میں قتیلہ بنت عبد العزی سے شادی کی، اُن سے عبد اللہ اور اسماء پیدا ہوئے، پھر دورِ جاہلیت ہی میں ام رومان بنت عامر سے نکاح فرمایا، جن سے عبد الرحمن اور عائشہ پیدا ہوئے، **حاصل یہ کہ آپ کی یہ چاروں اولاد اُنہی دو بیویوں سے ہے جن دونوں کا تذکرہ ہم نے جاہلیت کے زمانے کی شادی کے ذیل میں کیا ہے**، پھر اسلام کے زمانے میں آپ نے اسماء بنت عُمیس –جعفر طیار کی بیوہ– سے نکاح کیا.....)۔

اِس عبارت میں اولادِ ابوبکر سے کوئی بحث نہیں کی گئی ہے کہ وہ کب پیدا ہوئی؟ جاہلیت میں، یا اِسلام میں؟ بلکہ اَزواجِ ابوبکر سے بحث کی گئی ہے کہ کن سے آپ نے نکاح اسلام سے پہلے کیا، اور کن سے بعد میں، چنانچہ اِس مضمون پر عنوان بھی اَزواج ہی کا لگا ہوا ہے: ذكر أسماء نساء أبي بكر الصديق رحمه الله۔

د: "ابن حجر کے بقول حضرت فاطمہؓ حضرت عائشہؓ سے ۵ سال بڑی تھیں، حضرت فاطمہؓ کی پیدائش ۵ سال قبلِ بعثت، تعمیرِ کعبہ کے وقت ہوئی، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۳۵ سال تھی"۔

یہاں بھی حافظ ابن حجرؒ کی پوری عبارت پیش کی جاتی ہے، تاکہ عبارتِ بالا میں موجود مغالطہ کا موقع باقی نہ رہ جائے، حافظ صاحبؒ فرماتے ہیں:

واختلف في سنةِ مولدها، فروى الواقدي عن طريق أبي جعفر الباقر قال: قال العباس: وُلدت فاطمة والكعبة تُبنى، والنبي صلى الله عليه وآله وسلم ابن خمس وثلاثين سنة، وبهذا جزم المدائني.

ونَقل أبو عمر عن عبيد الله بن محمد بن سليمان بن جعفر الهاشمي أنها وُلدت سنة إحدى وأربعين من مولد النبي صلى الله عليه وآله وسلم۔

وكان مولدها قبل البعثة بقليلٍ نحو سنة أو أكثر، وهي أسنُّ من عائشة بنحو خمس سنين (الإصابة في تمييز الصحابة ٨: ٢٦٣)۔

(سیدہ فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کی سالِ پیدائش میں اختلاف ہے، واقدی نے محمد باقر کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ فاطمہ کی پیدائش اُس زمانے میں ہوئی جب کہ کعبہ کی تعمیر چل رہی تھی، اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف پینتیس برس تھی، ابن المدینی نے اِسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

اور ابن عبد البر نے عبید اللہ ہاشمی سے نقل کیا ہے کہ سیدہ زہراءؓ کی پیدائش آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے اکتالیسویں سال میں ہوئی۔

حافظ صاحبؒ بطور فیصلہ کے فرماتے ہیں کہ اُن کی ولادت بعثتِ نبوی سے کچھ پہلے ہوئی ہے؛ سال بھر، یا کچھ زیادہ، اور آپؓ، حضرت عائشہؓ سے پانچ برس بڑی تھیں)۔

یہ ہے ابن حجر کی پوری عبارت، اور آخر میں اُن کی فیصلہ کن رائے، جو بظاہر کسی تشریح اور وضاحت کی محتاج نہیں۔

اعتراض(٦): "غزوۂ بدر میں عبد اللہ بن عمرؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واپس کر دیا تھا، کیونکہ وہ کم عمر ۱۴ سال کے تھے، اسی طرح آپ نے غزوۂ اُحد میں کئی نوجوان صحابہ کرام مثلاً سمرہ بن جندبؓ، زید بن ثابتؓ، اُسامہ بن زیدؓ و

غیرہ کو واپس کر دیا تھا کہ وہ کم عمر تھے، غزوات میں شرکت کے لیے لڑکوں کے لیے کم از کم پندرہ سال متعین تھی۔

اِس صورت میں لڑکیوں کو اور وہ بھی ۱۵ سال سے کم ہوں، قطعاً اجازت نہیں مل سکتی تھی، جب کہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ غزوۂ اُحد میں شامل تھیں،اور حضرت اُم سُلیمؓ کے ساتھ مل کر مشکیزوں میں پانی بھر کر لاتیں اور زخمیوں کو پلاتی تھیں۔

اگر بخاری کی اُس روایت کو درست مان لیا جائے جس میں حضرت عائشہؓ کی عمر نکاح کے وقت ۶سال اور رخصتی کے وقت ۹سال تھی،اس طرح غزوۂ اُحد کے وقت ان کی عمر بمشکل ۱۲ سال تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلم لڑکوں کو جن کی عمر ۱۵سال سے کم تھی، غزوہ میں شرکت کی اجازت نہیں دیتے تھے،حالانکہ وہ لڑکیوں کے مقابلے جسمانی اعتبار سے زیادہ قوی اور محنت و مشقت برداشت کرنے کی زیادہ طاقت رکھتے ہیں، ایسے میں اتنی کم عمر اپنی زوجۂ مطہرہ کو وہ کیسے اجازت دے سکتے تھے کہ غزوہ میں شریک ہوں۔

اس سے بھی بخوبی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت عائشہؓ کم عمر نہیں تھیں،بلکہ ان کی عمر بوقتِ رخصتی کم از کم ۱۵سال تھی،جبکہ راجح یہی معلوم ہوتی ہے کہ آپ کی عمر کم از کم ۱۷/ ۱۸سال تھی"۔

جواب: أ: یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ اصلاً و دیانتاً بلوغ کا مدار عمر پر نہیں ہے،بلکہ مخصوص علامات کے ظہور پر ہے،جب کوئی اور خارجی علامت نہ پائی جائے صرف اُس وقت قضاءً عمر کو قانونی معیار بنایا گیا ہے۔

اِس لیے اگر کسی اور علامت کے ذریعے بلوغ متحقق ہو جائے تو پندرہ سال سے کم عمری میں بھی شریعت بالغ ہونا تسلیم کر لیتی ہے،اور یہ دین کا ایسا مشہور مسئلہ ہے جس کا علم ہر مسلمان کو ہونا چاہیے۔

اِس لیے اگر حضرت عائشہؓ کے بارے میں بلوغ کا یقین کسی اور علامت کے ذریعے ہو گیا ہو، تو اِس میں کیا اِستبعاد ہے؟

ب: اسلامی جنگوں میں مردوں اور عورتوں کا کردار بالکل الگ الگ ہوتا تھا،مرد تو دشمنوں سے بر سرِپیکار ہو کر میدانِ جنگ میں دادِ شجاعت دیتے تھے،جب کہ عورتیں اولاً تو نہایت محدود تعداد میں لے جائی جاتی تھیں،ثانیاً اُن کے خروج فی سبیل اللہ کا مقصد: مجاہدین کو پانی پلانا،زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا، بیماروں کی تیمارداری کرنا وغیرہ ہوتا تھا،دشمنوں سے ٹکرانا نہیں ہوتا تھا،ام عطیہؓ کی روایت ہے: کنا

نداوي الكلمى، ونقوم على المرضى (بخاري ومسلم)۔

مشہور صحابیہ رُبَیّع بنت مُعوِّذؓ فرماتی ہیں: كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم نسقي، ونداوي الجرحى، ونرد القتلى إلى المدينة (بخاري)۔

ظاہر ہے کہ یہ سب خدمات کوئی بھی چاق و چوبند اور مستعد لڑکی انجام دے سکتی ہے۔

اعتراض (۷)"أ: یہ کہنااور بطور دلیل کے پیش کرنا کہ اس زمانے میں رواج ایسا تھا، اور کم عمری کی شادی معیوب نہ تھی۔

جواب: جو لوگ حدیث پر اور شریعت کی باتوں پر زیادہ یقین نہیں رکھتے، اُن کو محجوج کرنے کے لیے بعض مرتبہ تاریخی واقعات ہی کا حوالہ دینا پڑتا ہے، اَب اگر بطور دلیل کے نہیں، بلکہ صرف منکرینِ حدیث پر حجت قائم کرنے کے لیے کوئی عالمِ دین اُس زمانے کے رواج کا معتبر حوالہ دیتا ہے؛ جیسا کہ جناب ڈاکٹر محمد نعمان مکی صاحب حفظہ اللہ نے **"اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کولے کر کیے جانے والے اعتراضات کا مدلل جواب"** کے عنوان سے ناقابلِ انکار حقائق اور مستند تاریخی واقعات پیش کیے ہیں، تو اُن کو قبول نہ کرنے کی عقلی یا نقلی کیا وجہ ہے؟

ب: مزید یہ کہ جزیرۂ عربیہ ریگستانی اور گرم علاقہ ہے جہاں لڑکیاں قبل از وقت بالغ ہو جاتی ہیں، عقلاً و نقلاً قابلِ قبول نہیں۔

جواب: "قبل از وقت" کی قید تو خانہ ساز ہے، باقی مضمون کیوں نہیں قابلِ قبول ہے؟

ڈاکٹر و حکیم ہری چند ملتانی (گولڈ میڈلسٹ) لکھتے ہیں: "آرام وآسائش کے ماحول میں پرورش پانے والی لڑکیاں غریب گھروں کی لڑکیوں کی نسبت جلدی جوان ہو جاتی ہیں، **ہندوستان جیسے گرم ملک** میں لڑکیاں گیارہ سال کی عمر میں ہی جوان لگتی ہیں، لیکن ٹھنڈے دیش کی لڑکیاں سولہ سترہ سال کی عمر میں جوان ہوتی ہیں، اِس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ لڑکی کا جوان ہونا مقامی رہن سہن، آب و ہوا، اور کاروبار، جسمانی حالت، آرام طلبی، سخت محنت وغیرہ کئی باتوں پر منحصر ہے"۔(تاج الحکمت ص ۳۳۳)۔

انٹرنیٹ پر محکمۂ صحت کی طرف سے دی گئی معلومات کے تحت درج ہے:

"لڑکیوں میں لڑکوں کے مقابلے میں (بلوغت کے) اِس عمل کا آغاز جلد ہوتا ہے، اور یہ ۸ سال سے ۱۱ سال کی عمر میں ہو سکتا ہے"۔

ج: جزیرۂ عربیہ کا علاقہ جتنا اُس زمانے میں گرم تھا اُس سے زیادہ گرمی آج کے دور میں ہے، پھر وہاں ۹ سال و ۱۰ سال کی عمر میں شادی کے واقعات کیوں نہیں ملتے؟

جواب: ایک تو اِس لیے کہ اَب ہر جگہ "ہیومنزم" (خود ساختہ انسانیت) کا راج ہے، اُس وقت اِسلامی قوانین کا غلبہ تھا۔

دوسرے یہ کہ اَب "گلوبلائزیشن" کے تحت "یکساں سول کوڈ" کا نظریہ ہے، پہلے ہر شخص کے حسبِ حال شرعی اُصول اور ضابطے تھے۔

تیسرے اُس وقت کے مسلمان نہ تو مستشرقین اور اہلِ مغرب سے مرعوب تھے، اور نہ ہی اُن کے ذہنی و فکری غلام اور سیاسی و قانونی محکوم۔

د: کم عمری میں بلوغ کے مختلف دواعی جو آج کے دور میں پائے جاتے ہیں ان کا تصور بھی آج سے سو سال قبل نہیں کیا جاسکتا تھا، دوسرے غذائی عناصر اور آب و ہوا جنھیں جسمانی نشوونما کے لیے بہت مؤثر مانا جاتا ہے؛ کیا آج کے دور میں ان میں کہیں زیادہ اضافہ نہیں ہوا ہے؟

جواب: یہ اِضافہ یقیناً ہوا ہے، حالات بالکل بدلے ہیں، اور اِسی کا نتیجہ بی بی سی کی یہ رپورٹ ہے جو اُس کی پروفیشنل ویب سائٹ پر موجود ہے:

"ترقی یافتہ ممالک میں بچوں کی سن بلوغت کو پہنچنے کی عمر کم سے کم ہو رہی ہے، اور بعض لڑکیاں سات سال کی عمر میں بھی بالغ ہو رہی ہیں ......، ۱۹۹۰ء میں لڑکیوں میں بلوغت کی ابتدائی علامات آٹھ سال کی عمر میں پیدا ہونا شروع ہوتی تھیں، اور یہ عمل دو سال میں مکمل ہوتا تھا، اَب ماہرین کے مطابق کچھ لڑکیاں سات سال کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں" اھ۔

ھ: حضرت عائشہؓ کے علاوہ اور کوئی نظیر کیوں نہیں ملتی، جن کی شادیاں اور رخصتی ۹ سال کی عمر میں ہو گئی ہوں، حضرت اَسماءؓ اور حضرت فاطمہؓ کی شادیاں ۱۸ سال کے بعد ہی ہوئیں"۔

جواب: اَ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی عمل کے ثبوت کو تسلیم کرنے کے لیے اُس کی

"نظیر" کا مطالبہ کیسا؟ اور کیوں؟ آپ کی تو بعثت ہی ہوئی ہے "نمونہ" قائم کرنے اور اُمت کے لیے "اُسوۂ حسنہ" جاری فرمانے کے لیے، ایسے میں اگر آپ کے عمل کو قبول کرنے کے لیے "نظائر" کی شرط لگادی گئی، تو وہ آپ پر ایمان کہاں ہوا؟ وہ تو اُن "نظائر" پر ہو گیا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی قول، فعل، یا حال کے ثبوت کے لیے تو صرف دو شرطیں ہیں: ایک تو آپ کی طرف اُس کی نسبت کا یقینی ہونا، خواہ تواتر کے ذریعے، خواہ صحتِ سند کے ذریعے، دوسرے اُس منسوب بات کا ثابت شدہ شرعی اُصول، مسلّمہ عقلی اُصول، اور حسّ و مشاہدہ کے خلاف نہ ہونا۔

باقی کسی کی سمجھ میں نہ آنا، یہ ہر گز مستلزمِ انکار، یا موجبِ رد نہیں ہو سکتا۔

ب: یہاں اِس تاریخی حقیقت کی طرف بھی توجہ ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح پچیس سال کی عمر میں ہوا، پھر آپ کے ہاں یکے بعد دیگرے دو یا تین بیٹوں کی، پھر یکے بعد دیگرے چار بیٹیوں کی پیدائش ہوئی، اُن میں سب سے چھوٹی حضرت فاطمہؓ ہیں، جن کی ولادت حافظ ابن حجرؒ کے نزدیک بعثتِ نبوی کے قریبی زمانہ میں ہوئی، اور بعثتِ نبوی بالاتفاق چالیس سال کی عمر میں ہوئی۔

پھر یہ واقعہ بھی مؤرخین واہلِ سیر کے ہاں معروف ہے کہ سیدہ رقیہؓ وسیدہ ام کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے پہلے، ابولہب کے دونوں بیٹوں: عُتبہ وعُتیبہ سے کیا جا چکا تھا، رخصتی ابھی نہیں ہوئی تھی، پھر جب اعلانِ نبوت کے بعد، ابولہب کی ایذارسانیوں کے تناظر میں سورۂ لہب نازل ہوئی، تو ابولہب نے مارے غصے کے یہ رشتہ ختم کر دیا، اُس کے بعد سیدہ رقیہؓ کا حضرت عثمانؓ سے نکاح ہوا، رخصتی ہوئی، اور پھر نبوت کے پانچویں سال دونوں نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

تو یہاں غور کا مقام یہ ہے کہ حضرت رقیہؓ اپنے بھائی بہنوں میں چوتھے یا پانچویں نمبر پر تھیں، اس کا مطلب ہے کہ اُن کی پیدائش بعثتِ نبوی سے زیادہ سے زیادہ سات آٹھ سال قبل ہوئی ہوگی، اور وہ نبوت کے پانچویں سال اپنے شوہر حضرت عثمانؓ کے ساتھ ہجرت میں ساتھ تھیں، جس وقت کہ اُن کی عمر ۱۲/ ۱۳سال کے قریب رہی ہوگی؛ درانحالیکہ اس سے پہلے وہ عُتبہ بن ابی لہب کے نکاح میں بھی رہ چکی

تھیں؛ اگرچہ رخصتی نہیں ہوئی تھی۔

اِس سے بہت قریبی اور یقینی اندازہ ہوجاتا ہے کہ دونوں بہنوں کے پہلے نکاح کے وقت، دونوں کی عمر بہت کم تھی؛ یہی کوئی آٹھ دس سال کے قریب۔ واللہ اعلم

اور یہ جو کہا گیا ہے کہ **"حضرت اَسماءؓ اور حضرت فاطمہؓ کی شادیاں ۱۸ سال کے بعد ہی ہوئیں"** یہ تو کوئی دلیل ہی نہیں ہوئی! اگر کسی وجہ سے حضرت اسماءؓ کی شادی دیر میں ہوئی تو کیا ضروری ہے کہ سبھی کی شادی دیر ہی میں ہوئی ہو؟

نیز حضرت فاطمہؓ کی شادی کے وقت عمر کیا تھی؟ اس کے بارے میں حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں:

وكان سنها يوم تزويجها خمس عشرة سنة وخمسة أشهر ونصفاً، وكانت سن عليٍّ إحدى وعشرين سنةً وخمسة أشهر (الاستيعاب ٤: ١٨٩٣)۔

(کہ سیدہ فاطمہؓ کی حضرت علیؓ سے شادی کے وقت: سیدہؓ کی عمر ساڑھے پندرہ برس تھی، اور حضرت علیؓ کی عمر ساڑھے اکیس برس)۔

اور یہی بات حافظ ابن حجر کے نزدیک بھی راجح ہے، جیسا کہ اُن کی یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ سیدہؓ کی ولادت میں راجح قول بعثتِ نبوی کا سال ہے، تو تیرہ سال مکہ مکرمہ کے، اور دو سال مدینہ منورہ کے۔

خاتمہ:

امید کہ ان معروضات سے **"بوقتِ نکاح ورخصتی حضرت عائشہؓ کی عمر"** سے متعلق مشہور حدیث پر وارِد کیے جانے والے تمام اعتراضات کی حقیقت اور اصلیت سامنے آگئی ہوگی، اور دل میں چبھے کانٹے نکل گئے ہوں گے، ذہن میں موجود خلجانات دور ہوگئے ہوں گے، اور عقائد میں دَر آنے والے شبہات واعتراضات کافور ہوگئے ہوں گے۔

حاصلِ گفتگو یہ ہے کہ اِس طرح کے کمزور خدشات اور لچر اعتراضات کی بنیاد پر ایک قوی ترین روایت کے ثبوت کو چیلنج کرنا، اس کی اسنادی حیثیت اور صحت کو مشکوک ٹھہرانے کی کوشش کرنا، اور

چودہ سو سالہ ایک مسلَّمہ حقیقت کو جھٹلانے کی جرات اور جسارت کرنا؛ یہ سب عقلاً اور نقلاً کسی بھی طرح قابلِ تحسین اور لائقِ تشکر اِقدام نہیں ہے۔

بلکہ یہ منفی سوچ اور مرعوب ذہنیت کی علامت ہے، جس سے نکلنے کے لیے قوتِ ایمانی کی دعاؤں کا اہتمام بھی ضروری ہے، اور ساتھ ہی سلفِ صالحین کے اِیمان افروز واقعات پڑھنے، سننے، اِیمانی مجالس میں شرکت کرنے، اور روحانی ماحول میں کچھ وقت گذارنے کی بھی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو غیر متزلزل اِیمان عطا فرمائیں، اور دین کا صحیح علم، سلیم فہم اور مستقیم عمل نصیب فرما کر، دارین میں سرخ رؤ فرمائیں، آمین

إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت، وما توفيقي إلا بالله، عليه توكلت، وإليه أنيب، وصلى الله وبارك وسلم على خير خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعين، وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

وکتبہ

محمد معاویہ سعدی

٤/ من محرم الحرام ١٤٤٢هـ

الموافق ٢٤/ من أغسطس ٢٠٢٠ء

في قرية كيمبير غنج، من مضافات غوركبور، الهند

نظر ثاني: ٢٨/ من محرم الحرام ١٤٤٢هـ، الموافق ١٧ ستمبر ٢٠٢٠م، ليلة الجمعة الزهراء